تعارف و تبصرۂ کتب

نام کتاب: کتاب فلاح ' مولف: پروفیسر محمد منظور علی شیخ

قیمت: -/۱۰۰ روپے ' ملنے کا پتہ: مکتبہ سرمد- اردو بازار لاہور

پروفیسر منظور علی شیخ معاشیات اور اسلامیات میں ایم اے ہیں۔ اپنی پوری تدریسی زندگی معاشیات پڑھاتے رہے اور اسلامیہ کالج سول لائن لاہور سے وائس پرنسپل کے طور پر ریٹائرڈ ہوئے۔ معاشیات کے خشک موضوع پر ان کی متعدد کتابیں بطور "نصابی کتب" سالہا سال سے اساتذہ اور طلبہ کے لئے رہنمائی کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں ذوق سلیم بھی عطا فرمایا ہے جس کا منہ بولتا ثبوت "حسن رحمت" کے عنوان سے ان کا شائع شدہ مجموعہ حمد و نعت ہے جسے اساتذہ فن نے بہت سراہا۔

ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے ایک خاص دینی جذبہ سے "کتاب فلاح" مرتب کی اور اس پر بڑی محنت کی جس کا مجھے ذاتی طور پر علم ہے۔ ان کے جذبہ اخلاص ' لگن اور محنت کے نتیجہ میں ۵۶۴ صفحات کی یہ کتاب تیار ہو گئی جس میں "دین اسلام کی رو سے۔ انسانی زندگی کے اصل مقصد اور اسے حاصل کرنے کے طریقے کی وضاحت" کی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ ایک انسان کس طرح دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ عقائد و اعمال ' اخلاق و معاشرت اور زندگی کے مختلف مسائل کے حوالہ سے ۳۴ ابواب پر اس کتاب کو مرتب کرکے مولف نے ہر باب کو قرآنی آیات سے شروع کیا۔ قرآنی ارشادات کی وضاحت پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے کی ' صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ایسے ہی بندگان خصوصی کے واقعات سے مسئلہ کو مزید واضح کیا گیا۔ جابجا نہایت مناسب اشعار بھی درج کئے گئے ہیں۔ ان کی یہ کاوش بڑی قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔ کتاب کے ناشر نے بھی جذبہ خیر کا مظاہرہ کرتے ہوئے کتابت و اشاعت کا بہت اعلیٰ پیمانے پر اہتمام کیا اور قیمت بہت ہی مناسب رکھی تاکہ ہر شخص اس کو حاصل کر سکے۔

ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم

خودی اور سوشلزم (۶)

قوموں کی باہمی کشمکش میں خدا کا راز

اس سے پہلے اس کتاب میں وضاحت کی گئی ہے کہ کس طرح سے اقبال خودی کے اوصاف و خواص کی بنا پر یہ سمجھتا ہے کہ وہ نظریۂ حیات جس میں دنیا پر چھا جانے کی صلاحیت ہے اور جو بالآخر دنیا پر چھا کر رہے گا فقط اسلام ہے، سوشلزم یا اور کوئی نظریہ نہیں۔ عمل تاریخ جس سے انسانی نظریات اُن پر اعتقاد رکھنے والی قوموں کے سمیت اُبھرتے اور مٹتے رہتے ہیں، دراصل نظریاتی ارتقاء کا ایک عمل ہے، جس کی انتہا کے قریب ایک ایسے نظریۂ حیات کا دنیا میں پھیل جانا ضروری ہے جو تصورِ کامل یعنی خدا کے صحیح اور پاکیزہ تصوّر کو انسان کی قدرتی عملی زندگی کے تمام ضروری شعبوں پر، جن میں سیاست، معاشرت اور معیشت بھی شامل ہیں، چسپاں کرتا ہو اور ایسا نظریۂ حیات فقط اسلام ہے۔ تاریخ کے تمام پے در پے نمودار ہونے والے واقعات، جن میں اقوامِ عالم کی باہمی پُرامن یا تشدد آمیز پیکار جو ہمیشہ جاری رہتی ہے سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اس عمل کے ممد و معاون ہیں اور اس کے آخری نتیجہ کو جلد از جلد آشکار کرنے کا کام کر رہے ہیں۔ قوموں کی باہمی پیکار (پیکارِ زندگی) کا مدعا یہ ہے کہ مسلمان قوم کا ہلال ماہ کمال بن جائے۔ یہ کائنات کے عملِ ارتقاء کا فرض ہے جو روزِ ازل سے اُس پر عائد کیا گیا ہے اور جو سچے مومن کی نماز کی طرح بروقت ادا ہو کر رہے گا۔

غرض ہے پیکارِ زندگی سے کمال پائے ہلال تیرا
جہاں کا فرضِ قدیم ہے تو، ادا مثالِ نماز ہو جا

قوموں کی باہمی پیکار اسلام کے عالمگیر ظہور کے لیے راستہ صاف کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے عجیب طریقے استعمال کرتا ہے جو کائنات کے اسرار میں سے ہیں اور جن کو انسان

بعض وقت نہیں سمجھ سکتا۔ اور اُن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بسا اوقات باطل کو باطل کے ہاتھوں سے ملیامیٹ کرتا ہے تاکہ حق کے راستہ کی رکاوٹیں ایک ایک کر کے دُور ہوتی جائیں۔

اقبال کے نزدیک دہریت انسان کی موت ہے، تاہم وہ اس بات پر خوش ہے کہ روسی دہریت جدید عیسائیت کے لات و منات توڑ رہی ہے۔ یقیناً کائنات کے ضمیر کے اندر خدا کا کوئی بڑا مقصد پوشیدہ ہے جو اس بات سے پورا ہو رہا ہے کہ باطل باطل کی شکست کے لیے اٹھا ہے اور وہی لوگ جو صلیب کی حفاظت کو اپنی نجات سمجھتے تھے آج صلیب شکنی کے لیے مامور ہوتے ہیں۔ اگرچہ اقبال یہاں براہِ راست یہ بات نہیں کہتا لیکن اُس کے پورے فکر سے یہ بات آشکار ہے کہ اُس کے دل میں یہ بات ہے کہ خدا کا وہ بڑا مقصد یہی ہے کہ اسلام کے عالمگیر غلبہ کے لیے حالات سازگار ہوں۔ اقبال ایک سوال کر کے اور اس کا جواب مخاطب پر چھوڑ کر (خبر نہیں کہ ضمیرِ جہاں میں ہے کیا بات!) خدا کے اس مقصد کی طرف ایک لطیف و بلیغ اشارہ کر رہا ہے۔ اسلام کے شاندار مستقبل کے متعلق اقبال جب بات کرنا چاہتا ہے تو بعض وقت ایسے ہی اشاروں سے کام لیتا ہے۔ مثلاً ع "رازِ خدائی ہے یہ، کہہ نہیں سکتی زبان" یا ع "دیکھئے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا" یا ع "کس کو معلوم ہے ہنگامۂ فردا کا مقام" یا ع "میری نگاہوں میں ہے اُس کی سحر بے حجاب" یا ع "محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی" وغیرہ۔

روش قضائے الٰہی کی ہے عجیب و غریب
خبر نہیں کہ ضمیرِ جہاں میں ہے کیا بات!
ہوئے ہیں کسرِ چلیپا کے واسطے مامور
وہی کہ حفظِ چلیپا کو جانتے تھے نجات
یہ وحی دہریتِ روس پر ہوئی نازل
کہ توڑ ڈال کلیسائیوں کے لات و منات!

اشاعتِ اسلام کے لیے حالات کی سازگاری

ظاہر ہے کہ جب ہر باطل دنیا سے مٹ جائے (خواہ وہ ایک اور باطل کی ضربوں سے ہی کیوں نہ مٹا ہو) تو اس وقت نوعِ انسانی کے لیے حق کا قبول کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ موجودہ وقت میں روس کے

انقلاب نے قریباً یہی صورتِ حال پیدا کر دی ہے۔ انسان کا دل سچے معبود کو ماننے کے لیے صرف اُسی وقت مہیا ہوتا ہے جب وہ ہر باطل معبود کی محبت سے خالی ہو جاتے۔ روس نے کلیسا کی نفی کی ہے، بادشاہوں کی نفی کی ہے اور عیسائیت کے اُس خدا کی بھی نفی کی ہے جو بیک وقت ایک بھی ہے اور تین بھی۔ لیکن اُسے بہر حال کسی مقصود کا اثبات تو کرنا ہے۔ جب تک نفی کے ساتھ کسی چیز کا اثبات نہ کیا جائے نفی حقیقت میں ممکن ہی نہیں ہوتی۔ نفی اثبات کا تقاضا کرتی ہے اور اثبات سوائے سچے خدا کے کسی چیز کا تسلی بخش یا دیرپا نہیں۔ لہٰذا مسلمان کے لیے وقت ہے کہ وہ سچے خدا کا اثبات کرائے لیکن افسوس ہے کہ اس وقت مسلمان خود مغرب کے بے خدا افکار سے متاثر ہو کر اسلام سے ہٹتا جا رہا ہے۔ اقبال کے الفاظ میں تہذیب حاضر کی صراحی اس وقت مئے لا سے لبالب بھری ہوئی ہے لیکن شراب وحدت کے ساقی یعنی مسلمان کے ہاتھوں میں پیمانۂ الّا نہیں جس میں ڈال کر نفی کی یہ شراب پلائی جا سکے یعنی اس نفی کو خدا کے اثبات کے ساتھ ملا کر ایک معنی خیز حقیقت بنایا جا سکے۔

لبالب شیشۂ تہذیبِ حاضر ہے مئے لَا سے
مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانۂ اِلَّا

اقبال نے ایک اور مقام پر روسی سوشلزم کے اس نقص کو کہ وہ "لَا" کے مقام پر اٹکا ہوا ہے اور بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ روسیوں نے لَا کا نعرہ لگایا کہ ہم کسی چیز کو نہیں مانیں گے اور پھر پرانے نظامِ حیات کو زیر و زبر کر دیا۔ بادشاہوں کا انکار کیا، کلیسا کا انکار کیا اور ہر معبود کا انکار کیا۔ "لَا" کا نعرہ ایک تند و تیز آندھی ہے جو ہر چیز کو اڑا کر لے جاتی ہے۔ روس کا فکر انکار کی اس آندھی کے اندر محدود رہا اور "اِلَّا" کی طرف آ کر معبودِ حقیقی کا اقرار نہ کر سکا۔ چونکہ ہر چیز سے انکار اور بغاوت کا یہ جنون غیر فطری ہے لہٰذا ضروری بات ہے کہ زود یا بدیر اس کا ردِ عمل ظاہر ہو۔ اور جب تک یہ ردِ عمل خدا پر ایمان کی صورت اختیار نہ کرے نہ یہ تسلی بخش ہو سکتا ہے نہ کامیاب۔ انسان کو ایک جذبۂ محبت دیا گیا ہے جو کسی محبوب کامل کا مثبت تقاضا کرتا ہے۔ انسان اس جذبہ کو تادیر نظر انداز نہیں کر سکتا اور نہ اُس کو تشنہ رکھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی انسان میں نمودار ہو کر نفیٔ مطلق کے مقام پر نہیں ٹھہرتی بلکہ کسی نہ کسی چیز کے اثبات اور قرار کی طرف آگے لپکتی ہے۔ ہر ایسی چیز کا انکار کرنے کے بعد جس کا انکار ضروری ہے اسے کسی ایسے محبوب کا اثبات کرنا پڑتا ہے جو درحقیقت اثبات کے قابل

ہو اور وہ محبوب فقط خدا ہے۔ تمام کائنات ایک ارتقائی عمل سے خدا کی طرف حرکت کر رہی ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ روسی سوشلزم آخر کار خدا کی طرف نہ آئے۔ دنیا میں ہر قوم کی زندگی اور قوت کا دارومدار لَا اور اِلَّا دونوں پر ہوتا ہے کہ وہ ایک تصور کو اپنا نصب العین حیات یا محبوب بناتی ہے اور اس کے مقابل کے ہر تصور کا انکار کرتی ہے۔ اگر کوئی قوم فقط لَا کہے اور اِلَّا نہ کہے تو پھر اس کے لیے زندہ رہنے اور عمل کرنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ آخر وہ کس مقصد کے لیے اور کس کام کے لیے زندہ رہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ التحیۃ والسلام نے ستارے، چاند اور سورج کا انکار کرنے کے بعد سچے خدا کا اقرار کیا تھا، تب جا کر اُن کا فطری جذبۂ محبت تشفی پا سکا تھا۔

طریقِ خانقاہی کو ترک کرنے کی ضرورت

مومن جو حجرہ میں بیٹھا ہوا فقط زہد و تقویٰ کو کافی سمجھتا ہے، اُسے چاہیے کہ طریقِ خانقاہی کو ترک کر کے میدانِ کارزار میں آئے اور دنیا کو خدا کی مرضی کے مطابق بدلنے کے لیے جان کی بازی لگائے۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا پر بت پرست نمرودوں کا قبضہ ہے، لیکن پھر بھی مومن کو چاہیے کہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح نمرود کے سامنے لَا کا نعرہ لگائے۔ نمرود اس کا بال بیکا نہ کر سکیں گے۔ نمرودوں کی یہ دنیا جو اُسے نظر آتی ہے اس کی حیثیت دو جَو کے برابر بھی نہیں۔ "لَا اِلٰہ" کی جلالی قوت بے پناہ ہے۔ جو شخص لَا کی تلوار کو ہاتھ میں لے کر نکلتا ہے دنیا اس کی ہو جاتی ہے۔

روس را قلب و جگر گردیدہ خوں — از ضمیرش حرفِ لَا آمد بروں
آں نظامِ کہنہ را برہم زد است — تیز نیشے بر رگِ عالم زد است
کردہ ام اندر مقاماتش نگہ — لَا سلاطیں، لَا کلیسا، لَا اِلٰہ
فکرِ اُو در تند بادِ لَا بماند — مرکبِ خود را سوئے اِلَّا نراند
آیدش روزے کہ از زورِ جنوں — خویش را زیں تندباد آرد بروں
در مقامِ لَا نیساید حیات — سوئے اِلَّا می خرامد کائنات
لَا و اِلَّا سازو برگِ اُمتاں — نفی بے اثبات مرگِ اُمتاں
در محبت پختہ کے گردد خلیل — تا نگردد لَا سوئے اِلَّا دلیل

اے کہ اندر حجرہ ہا سازی سخن نعرۂ لا پیش نمرودے بزن
ایں کہ می بینی نیرزد با دو جَو از جلالِ لا الٰہ آگاہ شو
ہر کہ اندر دستِ او شمشیرِ لاست
جملہ موجودات را فرمانرواست

اسلام کے عالمگیر غلبہ کا راستہ

جس طرح سے اقبال اس بات پر خوش ہے کہ خدا نے دہریت پرست رُوسی سوشلسٹوں پر یہ وحی نازل فرمائی ہے یعنی اُن کے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ وہ صلیب کو توڑ ڈالیں کیونکہ اس طرح سے کائنات کی ارتقائی حرکت جلد از جلد اپنی منزلِ مقصود یعنی اسلام کے عالمگیر ظہور تک پہنچے گی اُسی طرح سے اقبال اس بات پر بھی خوش ہے کہ روسی دہریت کے ہاتھوں سرمایہ پرستی کا سفینہ ڈوب رہا ہے اور اب نوعِ انسانی رفتہ رفتہ مداری کے اُس تماشا کو ترک کر دے گی جسے سرمایہ داری کہتے ہیں اور پھر اُس کی طرف واپس نہیں آئے گی، بلکہ اسلام کی طرف آگے بڑھے گی۔

گیا دورِ سرمایہ داری گیا تماشا دکھا کر مداری گیا

وہ یہ سمجھتا ہے کہ صلیب کی شکست کی طرح سرمایہ داری کا زوال بھی خدا کے اپنے اہتمام سے ہو رہا ہے جس نے اپنے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ میرے مفلس اور نادار بندوں کو سرمایہ داری کے خلاف بغاوت اور تشدد پر آمادہ کرو، دولت مندوں کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر دو، غلاموں کے دلوں میں اپنے مستقبل کا پختہ یقین پیدا کر دو تاکہ وہ کمزور ہونے کے باوجود طاقتوروں سے ٹکرا لیں۔ اب اقتدار عوام کے ہاتھوں میں آئے گا، اس لیے پُرانے طور طریقوں کو بدل دو۔ سرمایہ دار کسان کو اس کی محنت کا پھل نہیں دیتا، لہٰذا کھیت کی پیداوار کو جلا دو تاکہ سرمایہ دار بھی اس ظلم کی سزا پائے۔ پاپائے کلیسا نے خود خدا کا مقام لے کر مخلوق کو خالق سے جدا کر دیا ہے، لہٰذا اُس کے اقتدار کو ختم کر دو۔ لوگوں کو خدا کے سامنے ریاکاری کا ایک آخری سجدہ اور بتوں کے گرد ایک آخری طواف کر لینے دو اور پھر اس کے بعد سارے مذہب کا خاتمہ کر دو، تاکہ سچے مذہب کے لیے راستہ ہموار ہو جائے۔ مسلمان نمائش اور نمود کے لیے خدا کے حرم کو مرمر کی سلوں سے آراستہ کرتا ہے، لیکن خدا سے مخلصانہ محبت نہیں کرتا، اس سے بہتر تھا کہ

وہ حرم مٹی کا ہی رہنے دیتا، لیکن اپنے دل میں خدا کی مخلصانہ محبت کو پیدا کرتا۔ میرے لیے ایک اور حرم مٹی کا تعمیر کرو جہاں نمائش پرست لوگ نہیں بلکہ میرے ساتھ مخلصانہ محبت رکھنے والے لوگ جمع ہوں، کیونکہ اس ساری کارروائی سے کائنات کی ارتقائی حرکت تیز تر ہو گی اور مستقبل کا نظریۂ حیات یعنی سچے اور مخلص خدا پرستوں کا اسلام، جو سرمایہ داری اور ریاکاری اور نمائش کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا، جلد تر دنیا پر چھا جائے گا!!

اقبال کی نظم "فرشتوں کے لیے خدا کا فرمان" اقبال کی بلیغ شاعری کا ایک نمونہ ہے جس سے وہ بتانا چاہتا ہے کہ سرمایہ داری کے خلاف مزدوروں کی بغاوت، جس کے نتیجہ کے طور پر روس میں انقلاب آیا ہے، بے معنی اور بے سود نہیں، بلکہ خدا کی اُن پُراسرار تدبیروں میں سے ایک ہے جس سے وہ کائنات کے اندر اپنے مخفی مقاصد کو پورا کرتا ہے۔ اس تدبیر سے خدا نے مستقبل کے مخلص، ایماندار اور خدا پرست انسان کے ظہور کے راستہ میں جو رکاوٹیں تھیں وہ بہت حد تک دور کر دی ہیں۔ ان رکاوٹوں میں ایک سرمایہ پرستی اور سرمایہ داری تھی اور دُوسری کلیسا کی روحانی اجارہ داری تھی، جس نے خدا اور اُس کے بندوں کے درمیان ایک پردہ حائل کر رکھا تھا، اور تیسری مذہب کے نام لیواؤں کی ریاکاری اور ظاہرداری کے ساتھ اخلاص اور یقین سے تہی دستی اور عمل سے محرومی۔ لیکن اب اُن کو بھی یہ معلوم ہو گیا ہے کہ روس کی کھلی ہوئی دہریت اور رسمِ لادینی کے چیلنج کا جواب مذہب اور رُوحانیت کی حمایت میں زوردار مخلصانہ کردار کے بغیر ممکن نہیں، اور چوتھی تہذیبِ نَو کی ظاہری سج دھج میں چھپی ہوئی مکاری، بداخلاقی، بے ایمانی اور سفاکی، جس کا پردہ چاک کرنے کے لیے شاعرِ مشرق کو خدا کی سچی محبت کے آداب اور اطوار سے باخبر کیا گیا ہے۔ خدا فرشتوں سے خطاب کر کے کہتا ہے:

اُٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو
گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو
کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اُٹھا دو!
حق را بسجودے، صنماں را بطوافے
بہتر ہے چراغِ حرم و دَیر بجھا دو
میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو
تہذیبِ نوی کارگہِ شیشہ گراں ہے
آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو سکھا دو!

خدا کی عالمی اسکیم اور خضرؑ

اسی طرح سے اقبال نے 'خضرِ راہ' میں خضر کی زبان سے مزدور کو ابھارا ہے کہ وہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرے۔ عیار سرمایہ دار اس کی کمائی ہوئی دولت کو ناجائز طریقوں سے کھا رہا ہے لیکن اب بزمِ جہاں کا انداز بدلا ہوا ہے۔ انقلابِ روس کی صورت میں ایک نیا آفتاب افق پر نمودار ہوا ہے جس نے بظاہر مغرب کی سرمایہ داری کا خاتمہ کر کے دنیا کے ایک حصہ میں گویا ایک ارضی جنت پیدا کر دی ہے۔ مزدور کو چاہیے کہ ان حالات سے حوصلہ پا کر اپنے فطری حقوق کو پہچانے اور کرمکِ ناداں کی طرح سرمایہ دار کی شمع کا طواف کر کے جل مرنے کی بجائے اس سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرے۔ اقبال کے ان اشعار کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کے خیال میں کائنات کے اندر خدا کی یہ مخفی اسکیم کام کر رہی ہے کہ مزدور کو بیدار کر کے نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب اور رنگ کے بت توڑ دیے جائیں تاکہ اسلام کے لیے راستہ ہموار ہو اور خضر اس اسکیم کی مدد کرتا ہے اگرچہ بلا وجہ تشدد روا نہیں۔ یاد رہے کہ قرآن میں یہ قصہ ہے کہ خضرؑ نے تین ایسے کام کیے تھے جو عالمِ تکوینی کے نقطۂ نظر سے جائز تھے اور کائنات کے اندر خدا کی مخفی اسکیم کے مطابق تھے لیکن شریعت میں جائز نہیں تھے جس کی وجہ سے حضرت

موسیٰ علیہ السلام ان کو سمجھنے سے قاصر تھے اور ہر بار خضر پر معترض ہوتے تھے۔

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا، ہے یہ پیامِ کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات!
دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
"خواجگی" نے خوب چُن چُن کر بنائے مُسکرات

آنے والے دَور کی تصویر

ظاہر ہے کہ اقبال کے یہ اشعار ایک اسلوبِ بیان کی صورت میں ہیں اور ان سے یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ اقبال روسی انقلاب کو اس کی اپنی قدر و قیمت کی وجہ سے قابلِ ستائش سمجھتا تھا یا اس کو اسلام کے مقابلے میں کوئی وقعت دیتا تھا یا اس کے مستقبل پر یقین رکھتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اقبال کا پورا کلام اس نتیجہ کی تردید کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس معاشرہ میں خدا کا نام تک نہ ہو، جو خدا کی شدید مخالفت پر اُدھار کھائے ہوئے ہو، وہ اقبال کی نگاہ میں ایک ارضی جنت کیسے ہو سکتا ہے۔ اقبال نے اپنے بعض اشعار کی تشریح کرتے ہوئے ایک جگہ خود کہا ہے کہ "اسلوبِ بیان کو شاعر کا حقیقی VIEW تصور کرنا کسی طرح درست نہیں۔" ایسے اسالیبِ بیان کی مثالیں دنیا کے ہر لٹریچر میں موجود ہیں۔ بلکہ اگر ہم خود "خضرِ راہ" کی پوری نظم کو بھی ایک وحدت کے طور پر زیرِ غور لائیں تو ان اشعار سے یہ مطلب اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس نظم کے اگلے بند میں اقبال دنیائے اسلام کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر مسلمان کو ملک و دولت کی نعمت نصیب ہوگی تو کسی اشتراکی انقلاب سے نہیں بلکہ فقط حفظِ حرم کی طفیل۔ اسے چاہیے کہ جس طرح سے ہو سکے اسلاف کا قلب و جگر پیدا کر کے دنیا میں اسلامی خلافت کی بنیاد قائم کرے کہ اسی میں اس کے سارے عوارض کا علاج ہے۔ اس کے

بعد وہ مسلمانوں کے مخصوص وقتی اور مقامی حالات سے گزر کر ان کے عالمی رول پر پہنچتا ہے اور اسلام کے اس شاندار مستقبل کی پیشگوئی کرتا ہے جو اسلام کی فطرت میں مضمر ہے۔ وہ مسلمانوں سے اپنا خطاب جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ جب تک تم فرقہ وارانہ اختلافات سے (مثلاً یہ کہ خلیفہ حضرت علیؓ کو ہونا چاہیے تھا یا حضرت ابوبکرؓ کو) بالاتر ہو کر اپنے آپ کو نہ دیکھو گے تم من حیث القوم اپنے شاندار مستقبل کو نگاہ میں نہ رکھ سکو گے اور خفی کو جلی سے ممیز نہ کر سکو گے یعنی یہ سمجھتے رہو گے کہ حقیقت وہی ہے جو تمہیں نظر آ رہی ہے۔ حالانکہ خدا کے کچھ قوانین ایسے ہیں جو مسلمان قوم کو دنیا میں غالب کرنے کے لیے اپنا کام مخفی طور پر کر رہے ہیں۔ ان قوانین کے عمل سے بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ کوئی اور قوم دنیا میں غالب ہو رہی ہے لیکن درحقیقت ان قوانین کے عمل سے خدا باطل کو باطل کے ہاتھوں برباد کر کے حق کے غلبہ کے لیے راستہ تیار کر رہا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس نے نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ ایسے بتوں کو توڑنے کے لیے اشتراکیت کے باطل سے کام لیا ہے لیکن اشتراکیت دنیا کا آخری انقلاب نہیں، اس کے بعد اسلام کا انقلاب آنے والا ہے۔ فریاد تو اس لیے کی گئی ہے کہ وہ عشق کا ایک تقاضا تھی، ورنہ خدا کی تقدیر کے اٹل فیصلہ کی وجہ سے اسلام کا مستقبل محفوظ ہے۔ دنیا اسلام کے حق میں ضرور بدلے گی اور اس فریاد کی تاثیر حیرت انگیز طور پر ظاہر ہوگی۔ ہم نے دشمنوں کی سطوت کے طوفان کو دیکھا ہے لیکن کچھ بے قرار لہریں ایسی بھی ہیں جو زنجیر بن کر اس طوفان کو روک لیں گی۔ عام حریت کا خواب جو اسلام نے دیکھا تھا اور جس میں مسلمانوں کو فتح کی بشارت دی گئی تھی اس کی ایک اور تعبیر بھی ہے جو عنقریب سامنے آئے گی۔ جس طرح آگ میں دہکنے والے جانور سمندر کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مر کر اپنی خاکستر سے پھر زندہ ہو جاتا ہے اسی طرح سے یہ دنیا بھی کفر کی آگ میں جل کر مرنے کے بعد پھر اسلام کے ذریعہ سے زندہ ہوگی، یعنی اشتراکیت ایسے باطل نظام سے اس کا مرنا اس کی عارضی موت ہے۔ عالمِ انسانی کا وہ دور آنے والا ہے جو اسلام کے شاندار مستقبل کا آئینہ دار ہوگا۔ میں اس دور کی حیرت انگیز تفصیلات کیا بتا سکتا ہوں، صرف اپنے اشعار میں اس کی ایک دھندلی سی تصویر پیش کر رہا ہوں آسمان کے پاس یہ مزدکیت کا روسی انقلاب (فتنہ) ہی نہیں تھا بلکہ اس کے پاس ایک اور انقلاب بھی ہے جو پہلے آزمایا جا چکا ہے اور جو پورے عالمِ انسانی پر چھا جائے گا، اور وہ اسلام کا انقلاب ہے۔ تم دیکھ لو گے کہ خدا کی اٹل تقدیر کے سامنے اسلام کے کسی بڑے سے بڑے دشمن کی تدبیر بھی کام نہیں کر سکے

گی۔ اگر تم مسلمان ہو تو یقین رکھو کہ تم ہی دنیا میں غالب رہو گے، کیونکہ خدا کا وعدہ ہے کہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اور خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا: اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد۔

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اک ثمر
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش
اے گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ ہشیار باش!
عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ!
تو نے دیکھا سطوتِ رفتارِ دریا کا عروج
موجِ مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ!
عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلماں آج تو اُس خواب کی تعبیر دیکھ!
اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامانِ وجود
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہانِ پیر دیکھ!
کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اِک تصویر دیکھ!
آزمودہ فتنہ ہے اِک، اور بھی، گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسوائیِ تدبیر دیکھ!
مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیشِ نظر لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد دار

مومن کو اسلامی نظامِ حیات برپا کرنے کی دعوت

موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کی نوعیت ایسی ہے کہ سرمایہ دار مزدور کی کمائی کا بہت سا حصّہ خود کھا جاتا ہے اور اُسے اس کی محنت کے مقابلہ میں بہت کم معاوضہ دیتا ہے۔ اور یہ وہ حقیقت ہے جسے اب تک سرمایہ داروں کی ہوس نے چھپا کر رکھا تھا۔ اقبال کا خیال ہے کہ قوموں کی موجودہ روش، جس میں سرمایہ دار کو اجازت ہے کہ وہ مزدور کو جس قدر چاہے لوٹتا رہے، یہ ظاہر کرتی ہے کہ روس کا انقلاب بے سود نہیں۔ خدا چاہتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگ اس حقیقت کی طرف متوجہ ہوں کہ سرمایہ دار کس طرح سے مزدور پر ظلم کر رہا ہے۔ اس لیے اُس نے اپنے بعض بندوں کو مقرر کر دیا ہے کہ وہ اپنی شوخیٔ افکار سے اس مخفی حقیقت کو آشکار کریں اور اپنی جدّتِ کردار سے پرانے نظامِ زندگی کو بدل کر ایک نیا نظامِ زندگی برپا کریں، جس میں سرمایہ دار مزدور پر ظلم نہ کر سکے۔ ان قوموں کی روش کے خلاف روسی انقلاب ایسے ایک واقعہ کی صورت میں ایک ردِّعمل ہونا ضروری تھا لیکن روسی انقلاب سے بہت پہلے اسلام نے دنیا کو جو نظامِ زندگی دیا تھا اس میں سرمایہ داری کا کوئی امکان موجود نہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو نہ روسی انقلاب ایسے کسی ردِّعمل کی ضرورت ہے اور نہ سوشلزم کے نظامِ زندگی کی۔ تاہم شاید روسی انقلاب کا فائدہ یہ ہو کہ امتِ مسلمہ، جو اقوامِ عالم کی قیادت پر مامور کی گئی ہے، اس بات کی طرف متوجہ ہو جائے کہ اِس وقت دنیا کو اسلامی نظامِ زندگی کی ضرورت ہے، جس کے مطابق نہ صرف یہ ضروری ہے کہ مسلمان محنت سے کام کرے اور کفایت سے خرچ کرے بلکہ حتی الوسع اپنے پاس کوئی اندوختہ نہ رکھے اور جو کچھ اس کی ضرورتوں سے بچ رہے اُسے خدا کی راہ میں خرچ کر دے۔ جس طرح سے روسیوں نے اپنی جدتِ کردار سے دہریت اور معاشی عدل کے دو اَنمل بے جوڑ تصورات کو جوڑ کر ایک نئے مادی نظامِ حیات کی تشکیل کی ہے امتِ مسلمہ کو بھی چاہیے کہ اپنی جدتِ کردار سے اس قرآنی ارشاد کو جامۂ عمل پہنائیں جو "قُلِ الْعَفْوَ" کی آیتِ کریمہ میں پوشیدہ ہے اور ایک اسلامی نظامِ حیات برپا کریں جس کے مطابق مومن اپنے خالق کو راضی کرنے کے لیے اس بات پر مجبور ہے کہ اپنے پاس فالتو مال جمع نہ رکھے بلکہ اُسے خدا کی راہ میں خیرات کر دے۔

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمیٔ گفتار!

اندیشہ ہوا شوخیٔ افکار پہ مجبور
فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار!
انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار!
قرآں میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار!
جو حرفِ قُلِ الْعَفْوَ میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دَور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار!

اقبال کے پورے فکر کو مدِّنظر رکھنے کی ضرورت

ان تصریحات سے یہ بات آشکار ہو جاتی ہے کہ سوشلزم کے متعلق اقبال کے جن اشاروں کو بعض لوگ غلطی سے سوشلزم کی حمایت پر محمول کرتے ہیں اُن کی حقیقت دراصل ایک اسلوبِ بیان سے زیادہ نہیں۔ اُن کا مقصد فقط یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس بات پر ابھارا جائے کہ وہ اپنے سینوں میں خدا کی مخلصانہ محبت پیدا کریں اور اسلام کو اپنے زورِ عمل سے عالمِ انسانی میں مؤثر بنائیں، کیونکہ اب سوشلزم نے اس کے لیے راستہ صاف کر دیا ہے۔ اگر ہم اقبال کے پورے فکر کو مدِّنظر رکھیں تو اقبال کے اس قسم کے اشارات سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اقبال سوشلزم کا حامی تھا۔ بیشک اقبال سوشلزم کی "گرمیٔ گفتار" اور "شوخیٔ افکار" کو بے سود نہیں سمجھتا، لیکن اس لیے نہیں کہ سوشلزم کی اپنی کوئی قدر و قیمت ہے بلکہ اس بنا پر کہ روس کے سوشلسٹ انقلاب نے بڑے زور سے پوری دنیا کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کی ہے کہ موجودہ معاشی نظام میں سرمایہ دار مزدور سے بے انصافی کرتا ہے لیکن اس بے انصافی کا علاج سوشلزم نہیں، بلکہ وہ خدا پرستی اور خدا پرستی کے نتیجہ کے طور پر ظاہر ہونے والی گہری اور سچی اخلاقیت، عدل پسندی اور حرص و ہوا سے بیزاری ہے جس کی تعلیم اسلام دیتا ہے اور اس بنا پر بھی کہ سوشلزم عارضی طور پر نمودار ہونے والی ایک تخریبی قوت ہے جو غلط سیاسی، اقتصادی اور مذہبی نظریات کو جڑ سے اکھاڑ کر اور آخر کار خود فنا ہو کر اسلام کے اُس غلبہ اور ظہور کے لیے راستہ ہموار کرے گی جو اسلام کی فطرت میں ہے۔ ظاہر ہے کہ

(باقی صفحہ ۴۸ پر)